www.KitaboSunnat.com

انٹرویو: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

صدارتی استثنا اور اسلام؟

'مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان' کے زیر اہتمام 'پیغام ٹی وی' نے ۲۵؍فروری ۲۰۱۲ء سے اپنی باقاعدہ نشریات کا آغاز کر دیا ہے۔ پیغام ٹی وی نے مدیر 'محدث' سے پاکستانی سیاست کو درپیش مذکورہ بالا اہم مسئلہ پر انٹرویو کیا جسے بعد میں ایک سے زائد بار چینل پر نشر کیا گیا۔ مذکورہ انٹرویو ضروری اصلاح کے بعد ہدیۂ قارئین ہے۔ ادارہ

① **سوال:** ڈاکٹر صاحب! پاکستان کے آئین میں صدارتی استثنیٰ کا کیا قانون ہے اور اسلام کی رو سے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: پاکستان میں صدارتی استثنا کا قانون دستورِ پاکستان کی دفعہ ۲۴۸ کی شق دوم میں موجود ہے جس میں یہ بات موجود ہے کہ پاکستان کے صدر یا گورنر پر اُس کے عہدے کی میعاد کے دوران کسی عدالت میں کوئی فوجداری مقدمہ قائم نہیں کیا جائے گا۔

حالانکہ پاکستان میں اِسلام کے نفاذ کے لیے ۱۹۵۱ء میں جب ۳۱ علما نے ۲۲ متفقہ نکات دیئے تو اُنہوں نے یہ قرار دیا تھا کہ صدرِ پاکستان کو یہ استثنیٰ دینا درست نہیں ہے، اور خلافِ اسلام ہونے کی بنا پر اس کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن جب ۱۹۷۳ء میں پاکستان کا پہلا متفقہ دستور بنا تو اس میں یہ شق موجود تھی جو علماے کے ۲۲ نکات کے خلاف تھی۔ ۱۹۷۳ء کے بعد سے آج تک یہ شق اِسی طرح چلی آ رہی ہے۔ میرے خیال میں اس کو باقی رکھنا ہمارے صدور حضرات اپنی مجبوری سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں یہ قانون اُن کے تحفظ کے لیے ضروری ہے۔ حالانکہ ۱۹۸۵ء میں صدر ضیاء الحق کے دور میں ایک بار اس شق کو خلافِ اسلام قرار دے کر ختم کرنے کی دوبارہ کوشش کی گئی تھی لیکن پھر یہی تحفظ والی مجبوری آڑے آ گئی۔ چنانچہ آج بھی یہ خلافِ اسلام قانون موجود ہے۔

② سوال: یہ قانون کہاں سے آیا اور کیا یہ قانون اسلام کے تصورِ مساوات کے منافی نہیں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور کیا ہم پر اس کی پابندی ضروری ہے؟

مسلمان پر اگر کوئی چیز لازم ہے تو خالق اور حاکم مطلق ہونے کے ناطے وہ صرف اللہ جل جلالہ کی شریعت ہے۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے فرامین کے پابند ہیں۔ پاکستان میں جو قانون نافذ ہے، یہ اللہ کا قانون نہیں ہے بلکہ یہ 'اسلامی جمہوریت' کا قانون ہے۔ اور یہ بات واضح رہے کہ جمہوریت یا اسلامی جمہوریت میں مساوات کا جو تصور ہے وہ ایک خاص نقطے پر آکر ٹھہر گیا ہے، اس سے آگے نہیں گیا۔ قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں اور ان پر صرف ایک حاکم مطلق جو خالق کائنات ہے، کا قانون لاگو ہوتا ہے۔ لیکن پاکستان کے دستور یا جمہوریت کے تصور میں مساوات کو محدود کر دیا گیا ہے۔ اس میں حاکم وقت کو جو خالق کی بجائے خود مخلوق ہے لیکن اس کے باوجود اس کے اور دیگر مخلوق یعنی اس کی رعایا کے حقوق میں فرق کر دیا گیا ہے۔ استثنیٰ کے بارے میں واضح رہنا چاہئے کہ جمہوریت کے اندر وہ مساوات نہیں ہے جو اسلام میں ہے۔ جمہوریت کی اسی عدم مساوات کا کرشمہ ہے کہ ایک طرف ہمارے صدر صاحب ملکی قوانین سے بالا ہیں اور انہیں تمام فوجداری جرائم سے تحفظ ملتا ہے تو دوسری طرف اُن کو یہ بھی حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی مجرم کو جب چاہے معاف کر دیں۔ اسلام اس طرح کی بے انصافی اور عدم مساوات کے خلاف ہے۔ اسلام میں کوئی شخص کسی جرم سے مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ ہر ایک پر قانون برابر طریقے سے نافذ ہوتا ہے۔ کوئی عظیم سے عظیم انسان حتیٰ کہ سید المرسلین ﷺ جیسی اعلیٰ ترین عظیم شخصیت بھی قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ اس لیے اسلامی شریعت کی نظر میں سب برابر ہیں اور شریعت کی نظر میں مساوات مکمل ہے۔

③ **سوال:** ڈاکٹر صاحب کیا حفظِ مراتب کا خیال نہیں رکھا جانا چاہیے۔ ایک طرف عام آدمی ہے جو صرف اپنی ذات سے دلچسپی رکھتا ہے جبکہ دوسری طرف صدر وغیرہ ہیں جن کی ذمہ داریاں پوری قوم کے حوالے سے ہیں تو کیا قانون اُن کی بھاری بھرکم ذمہ داریوں کے عوض اُن کو کسی قسم کی رعایت نہیں دے گا؟

جواب: دیکھیے ایک بات ہے کسی انسان کا اپنے کردار کی بنا پر معزز ہونا، فضیلت حاصل کرنا تو یہ بات اسلام میں بھی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۘ مِّنْهُم مَّن كَلَّمَ اللَّهُ ۖ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دَرَجٰتٍ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

دوسری جگہ فرمایا: ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ (الحجرات: ۱۳)

اور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«الحسن والحسین سیدا شباب أهل الجنة» (مسند أحمد: ۱۱۰۱۲)

"سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دونوں اہل جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔"

یہ فضیلت کی صورت ہے لیکن فضیلت کا مطلب یہ نہیں کہ اَب قانون کسی صاحبِ فضیلت کو ایک نظر سے دیکھے گا اور عام آدمی کو دوسری نظر سے۔ کوئی بھی انسان جو جرم کا اِرتکاب کرے گا، اس پر خالق کا قانون برابر کی سطح پر نافذ ہو گا۔ یعنی اسلام میں فضیلت ومراتب کا تحفظ موجود ہے لیکن جرم کا تحفظ بالکل نہیں ہے۔ یہ دونوں چیزیں علیحدہ ہیں۔ مجرم کو کسی فضیلت کی بنا پر اسلام کوئی تحفظ نہیں دیتا ہے۔

عہد نبویؐ میں استثنا کا مسئلہ

④ **سوال:** ڈاکٹر صاحب! درپیش مسئلہ میں سیرتِ نبوی ﷺ سے کچھ مثالیں ہمیں مل سکتی ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ نے عام آدمی کی طرح قانون کا برابر احترام کیا ہو؟

جواب: آپ ﷺ کی سیرت سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ قانون کے نفاذ میں آپؐ نے اپنی ذات کو کبھی مستثنیٰ نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ نے ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا اور فرمایا: کسی شخص کا کوئی حق اگر میرے ذمے ہے تو میں دینے کے لیے آمادہ ہوں۔ اُسید نامی ایک دیہاتی اُٹھا اور کہنے لگا کہ یارسول اللہ! مجھے آپ ﷺ سے بدلہ لینا ہے، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ششدر رہ گئے کہ سید المرسلین ﷺ سے یہ شخص بدلہ لے گا؟ لیکن نبی کریم ﷺ نے اپنی ذات کو بدلہ کے لیے اس کے سامنے پیش کیا۔ وہ بدو کہنے لگا: اے اللہ کے نبیؐ! جب آپ نے مجھے سرزنش کی تھی تو اس وقت میرا جسم ننگا تھا، آپ بھی اپنی چادر کندھے سے اُتار دیجئے، آپ ﷺ نے چادرِ مبارک اُتار دی۔ تو اس دیہاتی نے آگے بڑھ کر آپ ﷺ کے جسم مبارک کو چوم لیا اور کہا کہ بدلہ لینا تو بہانہ تھا، میں تو دراصل آپ ﷺ کے جسم اَطہر کو چھونا چاہتا تھا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی آخر الزمان ﷺ نے بھی اپنے آپ کو بدلہ کے لئے پیش کر دیا اور پتہ چلا کہ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاں تک حاکم وقت ہونے کے ناطے کسی مجرم کو معاف کرنے کا تعلق ہے تو ہمیں یہ مثال بھی شرع اسلامی میں ملتی ہے کہ آپ ﷺ کو یہ اختیار حاصل نہیں تھا کہ آپ کسی کی سزا معاف کر سکیں، جس طرح ہمارے ہاں صدر کو یہ اختیار حاصل ہے۔ ایک بار نبی کریم ﷺ کے سامنے ایک واقعہ پیش کیا گیا۔ قریش کے قبیلے بنو مخزوم کی ایک عورت تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ اس عورت نے چوری کی تھی اور اس کا کیس نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ قریشی لوگوں کو یہ بات بہت بھاری لگی اور اُنہوں نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قریش کے قبیلے کی ایک عورت کا ہاتھ کاٹا جائے، اس سے قریش کی سیادت وفضیلت ختم ہو کر رہ جائے گی اور عرب میں اُن کی ناک کٹ جائے گی۔ اُنہوں نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ہماری سفارش کیجئے۔ حضرت اُسامہ نے سفارش کی تو آپ ﷺ نے ناراضی سے فرمایا:

«أتشفع في حد من حدود الله؟»

"اے اُسامہ! کیا تم اللہ کی حد میں سفارش کرتے ہو؟"

پھر آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور آپ ﷺ نے منبر نبوی پر خطبہ دیا۔ فرمایا:

«إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»[1]

"وہ لوگ جو تم سے پہلے تھے، اسی وجہ سے ہلاک ہو گئے کہ جب اُن میں سے کوئی معزز آدمی چوری کیا کرتا تو اُس کو چھوڑ دیتے تھے۔ اور جب کوئی کمزور یا عام آدمی چوری کرتا تو اُس پر اللہ کی حد کو قائم کرتے تھے۔ اللہ کی قسم! اگر میری بیٹی سیدہ فاطمۃ الزہرا بھی چوری کرتی تو میں اُس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی رو سے نہ تو کوئی بڑے سے بڑا شخص قانون سے مستثنیٰ ہے اور نہ ہی وہ کسی مجرم کو سزا سے مستثنیٰ کر سکتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر محبوبِ ربانی نبی کریم ﷺ بھی

[1] صحیح بخاری: ۳۲۱۶

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیں تو کسی کی سزا کو معاف نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمارے صدر صاحب کو یہ قانونی حق حاصل ہے وہ جس کو چاہیں معاف کر دیں چاہے وہ قاتل ہی کیوں نہ ہو۔ جب کہ ہمیں سیرتِ طیبہ سے پتہ چلتا ہے کہ قانون کی نظر میں تمام انسان برابر ہیں اور کسی کو استثنیٰ حاصل نہیں ہے۔

دورِ خلافت راشدہ میں استثنا کا مسئلہ

⑤ **سوال:** ڈاکٹر صاحب! آپ ﷺ کی رحلت کے بعد خلفاے اَربعہ کے ہاتھ میں بھی اقتدار کی زمام کار آئی۔ کیا اُن سے کوئی مثال ایسی ملتی ہے کہ اُنہوں نے قانون کے نفاذ میں تفریق سے کام لیا ہو؟

جواب: خلفاے اَربعہ سے بھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ حالانکہ خلیفہ راشد کا مقام آج کے صدر سے بہت بلند ہے۔ خلیفہ راشد مسلمانوں کا دینی سربراہ ہونے کے ساتھ ساتھ پوری ملتِ اسلامیہ کا سیاسی حاکم ہوتا ہے، نہ کہ آج کے صدر کی طرح کسی ایک ملک یا خطہ کا حکمران۔ خلفاے اربعہ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو وہ نہ صرف عدالت کے سامنے پیش ہوئے بلکہ عدالت نے جو فیصلہ کیا، وہ فیصلہ اُنہوں نے من و عن قبول کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب خلافت کا خطبہ دیا تو فرمایا: اگر میں اللہ کے دین پر قائم رہوں تو درست، اور اگر اس میں کجی اختیار کروں تو تم مسلمانوں کا فرض ہے کہ اپنی تلواروں کے ساتھ مجھے سیدھا کر دینا اور اللہ کی شریعت پر مجھے چلانا کیونکہ اللہ کی شریعت پر چل کر ہی میرا یہ حق بنتا ہے کہ میں تمہیں اللہ کی شریعت کی بات کہوں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ عظیم الشان خلیفہ راشد ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے دور کا واقعہ ہے کہ آپ ایک بار جمعہ پڑھانے کے لیے جا رہے تھے کہ راستے میں مدینہ منورہ کی گلیوں سے گزرتے ہوئے ایک پرنالے کے پاس سے آپ کا گزر ہوا جو نبی کریم ﷺ کے چچا سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے گھر کے اوپر لگا ہوا تھا۔ پرنالے سے گندا پانی گر رہا تھا۔ جب آپؓ پرنالے کے پاس سے گزرے تو آپ کے کپڑوں پر گندے پانی کے چھینٹے پڑ گئے۔ عمرؓ بن خطاب نے حکم دیا کہ یہ پرنالہ راستے میں گزرنے والوں کے حق کو متاثر کر رہا ہے، اس لیے اس کو اُکھاڑ دیا جائے، چنانچہ حکم کی تعمیل ہوئی۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو جب یہ پتہ چلا کہ امیر المؤمنین نے پرنالہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُکھڑ وا دیا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب سے فرمایا کہ اس پرنالے کو اس مقام پر رسول اللہ نے نصب کروایا تھا، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ یہ سنتے ہی سیدنا عمرؓ بن خطاب شدید رنج کا شکار ہوگئے اور اپنے حکم پر افسوس کا اظہار کرنے لگے۔ خلیفہ راشد نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباسؓ سے کہا کہ اے عباسؓ! تم لازماً میری کمر پر چڑھ کر اس پرنالے کو وہیں نصب کرو جہاں سے اس کو اُکھاڑا گیا ہے۔ پھر سیدنا عباسؓ امیر المؤمنین کی کمر پر چڑھے اور اس پرنالے کو وہیں پر لگا دیا جہاں سے اُکھاڑا گیا تھا۔

ایسے ہی سیدنا عمرؓ بن خطاب کی سیرت میں ایک اور اہم واقعہ آتا ہے۔ آپؓ جب خلیفہ تھے تو کسی معاملے میں سیدنا اُبی بن کعبؓ کا اُن سے اختلاف ہوگیا۔ سیدنا عمرؓ بن خطاب اپنے بارے میں خود فیصلہ کرنے کی بجائے قاضی وقت زید بن ثابتؓ کے پاس پیش ہوئے۔ مدعی اُبی بن کعبؓ تھے اور مدعا علیہ امیر المؤمنین حضرت عمرؓ تھے۔ اُبی بن کعبؓ نے جب دعویٰ کیا تو اپنے دعوے پر اُنہوں نے ایک دلیل پیش کی۔ اور شرعی اُصول یہ ہے کہ جب کسی کے خلاف دعویٰ کیا جاتا ہے تو وہ دلیل سے تردید کرے، ورنہ اسے قسم کھانا پڑتی ہے۔ زید بن ثابتؓ نے امیر المؤمنین کا احترام کرتے ہوئے اُن سے قسم کا مطالبہ نہ کیا، اور ان کے انکار کو ہی کافی جانا کہ خلیفہ نے چونکہ انکار کر دیا ہے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، بس یہی کافی ہے۔ جب قاضی زید بن ثابتؓ نے اتنا معمولی سا امتیاز برتا تو حضرت عمرؓ قاضی سے ناراض ہوئے اور خود قسم اُٹھائی کہ مجھ پر مدعا علیہ ہونے کے ناطے یہ واجب تھا کہ میں قسم اُٹھاؤں اور کہا کہ اے زیدؓ! تم اس وقت تک منصبِ قضا کے لائق نہیں ہوسکتے جب تک تمہارے نزدیک ایک خلیفہ اور عام مسلمان دونوں برابر نہ ہو جائیں۔

خلیفہ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اسلام میں نظامِ عدل کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ «أقضاهم علي» ''اے میرے صحابہ رضی اللہ عنہم! تم میں سے سب سے زیادہ عدل و قضا کے ماہر حضرت علیؓ ہیں۔'' تو سیدنا علیؓ کے دورِ خلافت میں اُن کی ایک زرہ گم ہوگئی۔ وہ زرہ اُنہوں نے ایک یہودی کے جسم پر دیکھی۔ تو یہ قضیہ قاضی شریح کے سامنے: جو اس وقت قاضی تھے، پیش کر دیا۔ قاضی شریح نے حضرت علیؓ سے کہا کہ آپ اپنا دعویٰ ثابت کیجئے۔ حضرت علیؓ پر شرعاً واجب تھا کہ وہ گواہ پیش کرتے کہ یہ زرہ کیسے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اُن کی ہے۔ سواُنہوں نے گواہی کے لیے اپنے غلام قنبر کو پیش کر دیا۔ قاضی شریح نے کہا کہ ایک گواہی تو ہوگئی لیکن آپ کو دو گواہیاں پیش کرنا ہیں۔ دوسری گواہی کے لیے سیدنا علیؓ نے اپنے دو بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو پیش کیا۔ قاضی شریح نے کہا: اے امیر المؤمنین! اسلام کے نظام عدل میں باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔ سیدنا علیؓ نے فرمایا کہ یہ دونوں بیٹے تو وہ ہیں جن کی شان زبان رسالت سے بیان ہوئی ہے کہ دونوں نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ قاضی شریح نے نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کو تسلیم کرنے کے باوجود، اس کو ان کی فضیلت ہی پر محمول کیا اور کہا کہ اس سے شرع اسلامی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چنانچہ قاضی شریح نے باپ حضرت علیؓ کے حق میں اُن کے دو بیٹوں کی گواہی قبول نہ کی اور فیصلہ کر دیا کہ یہ زرہ یہودی کے پاس ہی رہے گی۔ جب یہودی نے یہ بات سنی تو بے ساختہ بول اُٹھا: واللہ! یہ تو پیغمبرانہ عدل ہے۔ ایسا عدل تو میں نے کبھی نہیں دیکھا، چنانچہ یہودی انصاف پر مبنی فیصلہ دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ ان مثالوں سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ خلیفہ یا حکمران کو کسی عام معاملے میں معمولی سا بھی امتیاز حاصل نہیں ہے، کجا یہ کہ ان کو قانون سے استثنیٰ حاصل ہو۔

صدارتی استثنااور پاکستانی آئین

⑥ **سوال:** ڈاکٹر صاحب! ایک طرف کہا جاتا ہے کہ پاکستان کے آئین کے مطابق کوئی قانون اسلام کے خلاف نہیں بن سکتا، جبکہ دوسری طرف نہ صرف اس طرح کے قانون بن رہے بلکہ اُن پر عمل بھی ہو رہا ہے؟ اس کے بارے میں آپ کیا فرمائیں گے؟

جواب: آئینی لحاظ سے اسلام پاکستان میں بالاترین ہے۔ آئین کی دفعہ ۲۲۷ میں یہ بات موجود ہے کہ کوئی قانون خلاف اسلام نہیں بنے گا۔ پاکستان کا سرکاری مذہب بھی اسلام ہے۔ خود ہمارے صدر مملکت جو اس استثنیٰ کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ حلف بھی اُٹھا چکے ہیں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر کو توحید باری تعالیٰ پر ایمان لانا ہے، قرآن مجید کے آخری الہامی کتاب ہونے پر ایمان لانا ہے، نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت پر بھی ایمان لانا ہے اور ساتھ ساتھ اس حلف میں یہ بات شامل ہے کہ قرآن مجید کے تمام تقاضے اور تعلیمات پر بھی وہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عمل پیرا ہو گا۔ اب قرآن مجید کے تمام تقاضے اور تعلیمات میں یہ بات اَز خود ہی شامل ہے۔ گویا صدر زرداری استثنا کا مطالبہ کر کے اپنے حلف کی خود ہی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس بنا پر اس امر کی ضرورت ہے کہ اس خلافِ اسلام قانون کو کتابِ قانون سے حذف کیا جائے۔ اس کے لئے یا تو کوئی فرد یا جماعت وفاقی شرعی عدالت میں درخواست دائر کرے یا معاملہ کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے سپریم کورٹ خود راہنمائی کا مطالبہ کرے۔

دیگر ممالک میں صدارتی استثنا

⑦ **سوال:** ڈاکٹر صاحب! کیا دیگر ممالک میں بھی قانون موجود ہیں اور کیا وہاں بھی صدور وغیرہ کو استثنیٰ کی یہ رعایت حاصل ہے؟

جواب: یہ جمہوریت کا ایک تصور ہے، کیونکہ جمہوریت میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی بجائے جمہور کی حاکمیت ہوتی ہے جو اپنے حاکم اعلیٰ کو دوسروں سے ممتاز اور بالاتر مقام دیتی ہے۔ چنانچہ دیگر ممالک میں بھی استثنیٰ کا یہ تصور موجود ہے کہ صدارت چونکہ ملک کا ایک معزز مقام پر ہے، اس لیے صدر کو عدالتی معاملات میں ضرورت پڑنے پر نہ گھسیٹا جائے۔ تاہم دیگر ممالک میں اس استثنیٰ کا دائرہ عمل چھوٹی نوعیت کے جرائم اور وہ معاملات ہیں جو معمولی نوعیت کے ہوں۔ لیکن جب معاملات غیر معمولی نوعیت کے ہوں جن سے پورے معاشرے میں انتشار پیدا ہونا شروع ہو جائے تو پھر صدر کا بھی مؤاخذہ کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر امریکہ جس کو جمہوریت کی ماں کہا جاتا ہے، کے مشہور صدر نکسن کے دور میں واٹر گیٹ سکینڈل ہوا اور صرف اس ایک سکینڈل کی بنا پر صدر نکسن کو عہدۂ صدارت چھوڑنا پڑا۔ اُن کا جرم بھی کوئی بہت بڑا نہیں تھا۔ ہمارے ہاں تو کروڑوں، اربوں کی رقموں کے خرد برد جیسے جرائم ہیں۔ قوم کا اربوں روپیہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں جمع کروا دیا گیا ہے اور دستاویزات آگے پیچھے کی جا چکی ہیں لیکن صدر نکسن کا جرم صرف اتنا تھا کہ اس نے مخالفین کے فون ٹیپ کئے تھے۔ ایسے ہی آج سے دس سال پہلے کی بات ہے، بل کلنٹن کو اس بنا پر عدالت میں پیش ہونا پڑا کہ اس نے اپنی سیکرٹری مونیکا کے ساتھ معاشقہ لڑایا اور بعد میں عوام کے سامنے جھوٹ بولا تھا۔ ماضی میں برطانیہ میں ایک بادشاہ کو صرف اس بنا پر کہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے قانون کی پاسداری نہیں کی تھی، پھانسی تک کی سزا دی گئی۔ ۱۶۴۸ء میں برطانیہ کے بادشاہ کنگ جارج اوّل کو اس وجہ سے پھانسی دی گئی کہ اس نے ملک کی پارلیمنٹ کو بلا جواز ا معطل کر دیا تھا۔ انھی دنوں جب ہمارے ملک میں صدارتی استثناء کے مطالبے کا تکرار شدومد سے کیا جارہا ہے۔ تو امریکہ کی ایک ریاست جارجیا میں امریکی صدر اوباما کو طلب کیا گیا ہے۔ امریکی صدر پر ایک شہری نے یہ دعویٰ دائر کیا ہے کہ وہ امریکہ میں پیدا نہیں ہوئے، ان کی امریکی شہریت مشکوک ہے، اس بنا پر قانونی لحاظ سے وہ امریکہ کے صدر نہیں بن سکتے۔ اخبارات میں شائع ہو چکا ہے کہ امریکی صدر نے ۲۵ جنوری ۲۰۱۲ء کو عدالت میں پیشی سے استثنیٰ کی درخواست کی ہے، لیکن امریکہ کی ایک ذیلی عدالت نے اُنہیں یہ استثنیٰ عطا نہیں کیا۔ دراصل اگر مغربی ممالک میں صدور کو یہ دستوری تحفظ حاصل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں کے عوام اپنے صدور سے بھی اسی اعلیٰ کردار کی توقع کرتے ہیں۔ اگر ان کے ہاں کوئی صدر اس طرح کی مالی خیانت کا مرتکب ہو تو برطانیہ و امریکہ کے عوام اس کے خلاف بھرپور مہم چلا کر نہ صرف اُسے بلکہ اس کی پوری کابینہ کو معزول کرنے کی پوری جدوجہد کریں گے۔ موجودہ دور کی جمہوریتوں میں اب یہ سیاسی کلچر اور ضابطہ اخلاق بنتا جارہا ہے کہ جو بھی منصب دار ایسی کسی سنگین کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ ازخود مستعفی ہو جاتا ہے، نہ کہ ڈھٹائی سے استثنیٰ کے مطالبے اور قانونی موشگافیوں کا سلسلہ شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ ذلت صرف اسلامی جمہوریہ پاکستان کے نام ہی لکھ دی گئی ہے کہ دو سال عدالتی فیصلہ ہونے کو آئے ہیں اور آئے روز عدالت عظمیٰ کے سامنے نت نئی حیل وحجت اور بہانے تاویلیں تراشے جارہے ہیں۔

⑧ **سوال:** ڈاکٹر صاحب! تاریخی حوالے سے اس بات کی وضاحت فرما دیجیے کہ من حیث المجموع مسلمانوں کا عدالتوں سے کیا رویہ رہا ہے؟

جواب: مسلمانوں نے ہمیشہ قانون اور عدالتوں کا احترام کیا ہے۔ اس اعتبار سے ان کا رویہ انتہائی مثبت بلکہ شاندار رہا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد بھی اسلامی تاریخ سے ایسی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ مسلم حکمران قانون کے احترام میں عدالتوں میں پیش ہوتے رہے۔ مثلاً خلیفہ ہارون الرشید، عبدالرحمٰن سوم، برصغیر میں علاؤالدین خلجی، التمش اور

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اورنگزیب عالمگیر جیسے لوگ عدالتوں کے سامنے پیش ہوتے رہے۔ مسلمانوں کے حکمران ہی نہیں، ان کے سپہ سالار بھی عدالتوں کے حکم کے آگے آنکھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ میں یہاں اسلامی تاریخ سے احترام قانون کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں جس سے اندازہ ہوگا کہ ماضی میں مسلمانوں کا عدالتوں سے کیا رویہ رہا۔ نامور مسلم جرنیل قتیبہ بن مسلم نے جب سمرقند پر قبضہ کیا اور سمرقند میں مسلمان غالب ہوگئے تو اہل سمرقند نے، جو کافر تھے، مسلمانوں کی عدالت میں یہ کیس پیش کردیا کہ قتیبہ بن مسلم نے ہمیں، اسلامی نظام کے مطابق وہ تین آپشن (اسلام قبول کرلو، یا جزیہ دو، یا پھر جنگ کرو) پیش نہیں کیے جو ہر مسلمان سپہ سالار پر پیش کرنا فرض ہیں۔ اسی لشکر اسلامی میں موجود قاضی نے قتیبہ بن مسلم اور سمرقند کے سابقہ قائد کو بلوالیا۔ اور قاضی نے قتیبہ بن مسلم سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ دعوت ان کے سامنے پیش کی تھی؟ اُنہوں نے کہا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، اس پر قاضی نے یہ فیصلہ دیا کہ تم اپنی ساری فوجوں کو حکم دو کہ اس علاقے سے فوراً باہر نکل آئیں۔ قتیبہ بن مسلم کے حکم سے تمام افواج باہر نکل آئیں اور تاریخ نے یہ بھی دیکھا کہ جب وہ باہر نکل رہے تھے تو وہاں کے کفار اُن کے کپڑوں سے پکڑ کر انہیں واپس کھینچ رہے تھے کہ اتنے منصف اور عادل لوگوں سے ہم کیوں کر محروم کئے جائیں؟ قاضی کے اس منصفانہ فیصلے کا یہ نتیجہ نکلا کہ پورا شہر مسلمان ہوگیا۔ اسلامی تاریخ ایسے عظیم الشان واقعات سے بھری پڑی ہے۔ کوئی بھی قوم تب عظمت حاصل کرتی ہے، جب اُس میں قانون کی بالاتری موجود ہو، اور جب انصاف کے تقاضے پورے کیے جاتے ہوں۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان میں بیان کرچکا ہوں کہ آپ نے کہا کہ سابقہ قوموں کی ہلاکت کی وجہ ہی یہ تھی کہ ان کے ہاں قانون کی نظر میں مجبور وضعیف اور مقتدر و طاقتور برابر نہیں تھے۔

⑨ **سوال:** اسلام میں ریاست کے سربراہ کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے حقوق و فرائض کی وضاحت فرمادیجیے۔

جواب: اسلام میں خلیفہ کی ذاتی لحاظ سے دوسروں پر کوئی برتری نہیں ہے۔ دراصل اللہ کا قانون کسی فرد کے ذریعے نافذ ہوتا ہے اور وہ فرد خلیفۃ المسلمین ہوتا ہے، خلیفۃ المسلمین مسلمانوں کا دینی وسیاسی قائد ہوتا ہے۔ خلیفۃ المسلمین جب تک اللہ کے دین کی اتباع کرواتا

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے، اس وقت تک اُس کی اتباع کی جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ''تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں کہ تم اُن سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں کہ تم اُن سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں۔'' تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ جب ایسے حکمران آئیں جن سے ہم نفرت کریں گے، تو کیا ہم اُن سے قتال نہ کریں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: «لا، ما أقاموا الصلاة»

''اس وقت تک نہیں جب تک وہ خود بھی نماز پڑھیں اور دوسرے کو نماز پڑھنے کی تلقین کرتے رہیں۔'' مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے اوپر اللہ کے قانون کو نافذ رکھیں گے، اس وقت تک ان کی اطاعت ہوگی، اگر وہ خود اللہ کے قانون پر نہیں چلتے تو پھر ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اسلامی تاریخ میں اسی نوعیت کا ایک اور اہم واقعہ ملتا ہے۔ کہ دورِ نبوی میں ایک لشکر کے سالار نے شریک صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ آگ میں چھلانگیں لگا دو، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آگ میں چھلانگیں نہیں لگائیں۔ جب صحابہ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچے اور بتایا کہ اس طرح ہمارے قائد نے آگ میں کودنے کا حکم دیا تھا اور ہم اس لیے نہیں کودے کہ اس آگ سے بچنے کے لیے ہی تو ہم آپ کے متبع بنے اور یہ پھر ہمیں آگ میں بھیج رہے ہیں، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: لا طاعة لمخلوق في معصية خالق

تم نے درست کیا ہے، اللہ کی نافرمانی میں حکم ران کی اطاعت اسلام کا کوئی مطالبہ نہیں۔ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔''

اگر حکمران اللہ کا قانون نافذ کرتا ہے تو محترم ہے اور ہمارے لیے اس کا احترام واجب ہے اور اگر وہ اس کو نافذ نہیں کرتا تو پھر نہ تو وہ محترم رہ جاتا ہے اور نہ ہی ہمارے اوپر اس کی اطاعت واجب ہے۔

⑩ **سوال:** حافظ صاحب! یہ فرمائیے کہ بانیانِ پاکستان کا اس بارے میں کیا موقف تھا؟ ان کی نظر میں شریعت کا کیا مقام تھا اور وہ قانون کی برتری کو کس نظر سے دیکھتے تھے؟

جواب: ڈاکٹر علامہ اقبال اور محمد علی جناح دونوں قانون کے طالب علم تھے۔ دونوں نے قانون کی اعلیٰ ترین تعلیم یعنی بیرسٹری کی ہوئی تھی، بلکہ محمد علی جناح کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ قیامِ پاکستان سے قبل مسلمانوں میں ان جیسا قابل اور نامور وکیل اور نہیں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا۔ ان کی نظر میں قانون کا تصور کیا تھا۔ یہ جاننے کے لیے درج ذیل دو مثالیں کافی ہیں: قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلمانانِ پشاور کے عظیم اجتماع میں ۲۶ر نومبر ۱۹۴۵ء کو یہ بات فرمائی تھی کہ "یہ بات اسلامی حکومت کے پیش نظر رہنی چاہیے کہ اس میں اطاعت کا مرجع صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کے لیے تعمیل کا مرکز قرآن مجید کے اصول واحکام ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ تو کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ کسی پارلیمنٹ کی، نہ کسی شخص کی، نہ کسی ادارے کی، قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی و پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔" بالفاظِ دیگر اس اسلامی ریاست میں قرآنی اُصول و احکام کی حکمرانی ہوگی، مطلب یہ ہے کہ ہر ادارہ اور ہر نظام اگر قرآن سے تقویت لیتا ہے تو وہ قابل اتباع ہے اُس کے ماسوا ہر طرح کے استحقاق کو رد کر دیا جائے۔ اسی طرح ۱۹۴۶ء میں قائد اعظم الہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلے میں نواب سر محمد یوسف کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے کہ وکلا کا ایک وفد ملاقات کے لیے آیا اور وہاں اُن سے یہ مکالمہ ہوا کہ پاکستان کا دستور کیا ہوگا، کیا پاکستان کا دستور آپ بنائیں گے؟ قائد اعظم نے وکلا کو یہ جواب دیا کہ پاکستان کا دستور بنانے والا میں کون ہوتا ہوں، پاکستان کا دستور تو تیرہ سو سال پہلے بن چکا ہے اور وہ دستور قرآنِ کریم ہے۔ یعنی قائد اعظم محمد علی جناح نے ہمیں یہ بات بتائی کہ ہمارے قانون کا مرکز و محور قرآنِ کریم اور سنتِ نبویؐ ہے۔ آج ہم نے ۶۰ سال گزرنے کے باوجود اس قانونی محور کو، جو اُن کی نظر میں تھا، چھوڑا ہوا ہے۔ ایسے ہی مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال کی فارسی کتاب ۱۹۳۸ء میں 'رموزِ بے خودی' کے نام سے شائع ہوئی، اس میں ایک نظم 'آئین محمد یہ قرآن اَست' "محمد ﷺ کی شریعت کا جو آئین ہے وہ صرف اور صرف قرآن ہے۔" کے عنوان سے ہے۔ کے نام سے ایک تفصیلی نظم موجود ہے۔ ذکر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ہم آج بانیانِ پاکستان کے مقام کو، اُن کے نظریے کو اہمیت دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اُن کا ہم پر کوئی حق ہے تو اُن کی آرا کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے۔ ان کا موقف بڑا واضح تھا کہ قرآنِ کریم کی اتباع اور فرمان نبوی ﷺ کی اتباع ہی پاکستان کا نصبُ العین اور مقصد ہے۔ پاکستان کا مطلب کیا: لا إله إلا الله بھی یہی نظریہ ہے اور ہر وہ قدم جو اس نظریے کے مخالف ہے، وہ بانیانِ پاکستان کے بھی خلاف ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں بھی اس سے بچنا چاہیے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ